پرستیوں اور عوام کے اخلاقی تنزل اور اعتقادی و تمدنی گمراہیوں کا جو دور دورہ رہا وہ گویا ان علوم کے لیے معدوم محض تھا۔ اس کا کوئی اثر ان علوم پر نہیں پایا جاتا۔

امام غزالی

عمر ابن عبدالعزیز کے بعد سیاست و حکومت کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئیں، اور بنی امیہ، بنی عباس اور پھر ترکی النسل بادشاہوں کا اقتدار قائم ہوا۔ ان حکومتوں نے جو خدمات انجام دیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفوں کو جوں کا توں لیکر مسلمانوں میں پھیلا دیا، اور دوسری طرف علوم و فنون اور تمدن و معاشرت میں جاہلیت اولیٰ کی تمام گمراہیوں کو اپنی دولت اور طاقت کے زور سے شائع و ذائع کیا۔ عباسی خاندان کے تنزل نے مزید نقصان یہ پہنچایا کہ ابتدائی عباسی "خلفاء" کے بعد دنیوی اقتدار کی باگیں جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئیں وہ علوم دینی سے بالکل ہی کورے تھے۔ ان میں اتنی صلاحیت بھی نہ تھی کہ قضا اور افتاء کے عہدوں کے لیے اہل آدمیوں کو منتخب کر سکتے۔ اپنی جہالت اور سہولت پسندی کی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کی تنفیذ کا کام ایسے لگے بندھے طریقوں پر کرنا چاہتے تھے جن میں کسی کد و کاوش کی ضرورت نہ ہو اور اسکے لیے تقلید جامد ہی کا راستہ موزوں تھا۔ مزید براں دنیا پرست علماء نے انکو مذہبی مناظروں کی چاٹ بھی لگادی، اور پھر شاہی سرپرستی میں یہ مرض اتنا پھیلا کہ اس نے تمام مسلم ممالک میں فرقہ بندی، اختلاف اور سر پھٹول کی وبا پھیلا دی۔

پانچویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ حال ہو گیا کہ:

(۱) یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے اسلیے نظام دین کو مقتضائے زمانہ کے مطابق معقولی انداز سے سمجھا نہ سکتے تھے اور زجر و توبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ علوم عقلیہ میں جن لوگوں کے کمال کا شہرہ تھا وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ میں کوئی بصیرت نہ رکھتے تھے، بلکہ فلاسفۂ یونان کے بالکل غلام تھے اور ان میں کوئی ایسا بالغ النظر

آدمی نہ تھا جو تنقید کی نگاہ سے اِس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا۔ متکلمین کا جو گروہ اسلام کی "حمایت" کے لیے اٹھا اُس نے وحی یونانی کو تو اٹل سمجھ کر جوں کا توں تسلیم کر لیا، اور وحی آسمانی کو توڑنا اور مروڑنا شروع کیا تاکہ اس کے مطابق ڈھل جائے۔ ان حالات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھنے لگے، اسکی ہر چیز انہیں مشکوک نظر آنے لگی اور ان میں یہ خیال جاگزیں ہوتا چلا گیا کہ ہمارا دین ایک چھوئی موئی کا درخت ہے جو عقلی امتحان کی ایک ذرا سی ٹھیس سے مرجھا جاتا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور انکے متبعین نے اس رو کو بدلنے کی کوشش کی مگر یہ گروہ متکلمین کے علوم سے تو واقف تھا، لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی نہ تھا، اسلیے وہ اس عام بے اعتقادی کی رفتار کو بدلنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا، بلکہ معتزلہ کی ضد میں اس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کر لیا جو فی الواقع عقائدِ دین میں سے نہ تھیں۔

(۲) جاہل فرمانرواؤں کے اثر سے، اور علوم دینی کو مادّی وسائل کی تائید بہم نہ پہنچنے کے سبب سے اجتہاد کے چشمے خشک ہو گئے، تقلیدِ جامد کی بیماری پھیل گئی، مذہبی اختلافات نے ترقی کر کے ذرا ذرا سے جزئیات پر نئے نئے فرقے پیدا کر دیے، اور ان فرقوں کی باہمی لڑائیوں سے مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا علیٰ شفا حفرۃ من النار ہیں۔

(۳) مشرق سے مغرب تک مسلم ممالک میں ہر طرف اخلاقی انحطاط رونما ہو گیا جسکے اثر سے کوئی طبقہ خالی نہ رہا۔ قرآن اور نبوت کی روشنی سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی بڑی حد تک خالی ہو گئی۔ علماء، امراء، عوام، سب بھول گئے کہ خدا کی کتاب اور رسول کی سنت بھی کوئی چیز ہے جسکی طرف ہدایت و رہنمائی کے لیے کبھی رجوع کرنا چاہیے۔

(۴) شاہی درباروں، خاندانوں، اور حکمراں طبقوں کی عیاشانہ زندگی اور خود غرضانہ لڑائیوں کی وجہ سے عموماً رعایا تباہ حال ہو رہی تھی۔ ناجائز ٹیکسوں کے بار نے معاشی زندگی کو نہایت خراب کر دیا تھا۔ تمدن کو حقیقی فائدہ پہنچانے والے علوم و صنائع روبہ تنزل تھے اور اُن فنون کا زور تھا جو شاہی درباروں

میں قدر و منزلت رکھتے تھے مگر اخلاق و تمدن کے لیے غارت گر تھے۔ آثار سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ عام تباہی کا وقت قریب آ لگا ہے۔

یہ حالات تھے جب پانچویں صدی کے وسط میں امام غزالی پیدا ہوئے[1]۔ انہوں نے ابتداءً اسی طرز کی تعلیم حاصل کی جو اس زمانہ میں دنیوی ترقی کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ انہی علوم میں کمال پیدا کیا جنکی بازار میں مانگ تھی۔ پھر اس جنس کو لیکر وہیں پہنچے جہاں کے لیے تیار ہوئے تھے اور اُن بلند ترین مراتب تک ترقی کی جن کا تصوّر اُس زمانہ میں کوئی عالم کر سکتا تھا۔ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ـــــ نظامیۂ بغداد ـــــ کے ریکٹر مقرر ہوئے۔ نظام الملک طوسی، ملک شاہ سلجوقی اور "خلیفہ" بغداد کے درباروں میں اعتماد حاصل کیا۔ وقت کی سیاسیات میں یہاں تک دخیل ہوئے کہ سلجوقی فرمانروا اور عباسی "خلیفہ" کے درمیان جو اختلافات پیدا ہوتے تھے ان کو سلجھانے کے لیے اِنکی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ دنیوی عروج کے اس نقطہ پر پہنچ جانے کے بعد انکی زندگی میں انقلاب رونما ہوا۔ اپنے زمانہ کی علمی، اخلاقی، مذہبی، سیاسی اور تمدنی زندگی کو جتنی گہری نظر سے دیکھتے گئے اسی قدر اُن کے اندر بغاوت کا جذبہ ابھرتا چلا گیا، اور اسی قدر ان کے ضمیر نے زیادہ زور سے صدا لگانی شروع کی کہ تم اس گندے سمندر کی شناوری کے لیے نہیں ہو بلکہ تمہارا فرض کچھ اور ہے۔ آخر کار اُن تمام اعزازات اور فوائد و منافع اور مشاغل پر لات ماری جنکے جنجال میں پھنسے ہوئے تھے، فقیر بن کر سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے، گوشوں اور ویرانوں میں رہ کر غور و خوض کیا، چل پھر کر عام مسلمانوں کی زندگی کا گہرا مشاہدہ کیا، اور مجاہدات و ریاضات سے اپنی روح کو صاف کرتے رہے۔ ۳۸ سال کی عمر میں نکلے تھے، پورے دس برس کے بعد ۴۸ سال کی عمر میں واپس ہوئے، اور اس طویل غور و فکر و مشاہدہ کے بعد جو کام کیا وہ یہ تھا کہ بادشاہوں کے تعلق اور انکی وظیفہ خواری سے توبہ کی، جدال و تعصب سے پرہیز کرنے کا دائمی عہد کیا، اُن تعلیمی ادارات میں کام کرنے سے انکار کر دیا جو سرکاری اثر میں ہوں، اور طوس میں خود اپنا ایک آزاد ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ میں وہ چیدہ افراد کو اپنے خاص طرز پر تعلیم و تربیت دے کر تیار کرنا چاہتے تھے، مگر غالبًا انکی یہ

[1] ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء میں وفات پائی۔

کوشش کوئی بڑا انقلاب انگیز کام نہ کر سکی کیونکہ پانچ چھ سال سے زیادہ انکو اس طرزِ خاص پر کام کرنیکی اجل ہی نے مہلت نہ دی۔

امام غزالی کے تجدیدی کام کا خلاصہ یہ ہے:

اولاً، انہوں نے فلسفۂ یونان کا نہایت گہرا مطالعہ کرکے اس پر تنقید کی اور اتنی زبردست تنقید کی کہ وہ رعب جو مسلمانوں پر چھا گیا تھا، کم ہو گیا اور لوگ جن نظریات کو حقائق سمجھے بیٹھے تھے، جن پر قرآن و حدیث کی تعلیمات کو منطبق کرنیکے سوا دین کے بچاؤ کی کوئی صورت انہیں نظر نہ آتی تھی، اُنکی اصلیت سے بڑی حد تک آگاہ ہو گئے۔ امام کی اس تنقید کا اثر مسلم ممالک ہی تک محدود نہ رہا بلکہ یورپ تک پہنچا اور وہاں بھی اس نے فلسفۂ یونان کے تسلط کو مٹانے اور جدید دور تنقید و تحقیق کا فتح باب کرنے میں حصہ لیا۔

ثانیاً، انہوں نے ان غلطیوں کی اصلاح کی جو فلاسفہ و متکلمین کی ضد میں اسلام کے وہ حامی کر رہے تھے جو علوم عقلیہ میں گہری بصیرت نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُسی قسم کی حماقتیں کر رہے تھے جو بعد میں یورپ کے پادریوں نے کیں، یعنی مذہبی عقائد کے اثبات کو بعض مروج غیر معقول باتوں پر موقوف سمجھ کر خواہ مخواہ اُن کو اصول موضوعہ قرار دے لیتے اور ان کو بھی عقائدِ دین میں داخل کرکے ہر اُس شخص کی تکفیر کرتے جو ان باتوں کا قائل نہ ہو، اور ہر اس برہان یا تجربہ یا مشاہدہ کو دین کے لیے خطرہ سمجھتے جس سے اُنکے مزعومات کی غلطی ثابت ہوتی ہو۔ اسی چیز نے یورپ کو بالآخر دہریت کی طرف دھکیل دیا۔ مگر مسلم ممالک میں امام غزالی نے بروقت اسکی اصلاح کی اور مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے عقائدِ دینی کا اثبات ان غیر معقولات کے التزام پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے معقول دلائل موجود ہیں، لہٰذا ان چیزوں پر اصرار فضول ہے۔

ثالثاً، انہوں نے اسلام کے عقائد اور اساسیات (Fundamentals) کی ایسی معقول تعبیر پیش کی جس پر کم از کم اُس زمانہ کے اور بعد کی کئی صدیوں تک کے معقولات کی بنا پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ احکام شریعت اور عبادات و مناسک کے اسرار و مصالح بھی بیان کیے اور دین کا ایک ایسا

تصور لوگوں کے سامنے رکھا جس سے وہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں جنکی بنا پر پہلے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ اسلام عقلی امتحان کا بوجھ نہیں سہار سکتا ۔

رابعاً ، انہوں نے اپنے وقت کے تمام مذہبی فرقوں اور انکے اختلافات پر نظر ڈالی اور پوری تحقیق کے ساتھ بتایا کہ اسلام اور کفر کی امتیازی سرحدیں کیا ہیں ، کن حدود کے اندر انسان کے لیے رای و تاویل کی آزادی ہے ، اور کن حدود سے تجاوز کرنے کے معنی اسلام سے نکل جانے کے ہیں ۔ اسلام کے اصلی عقائد کون سے ہیں اور وہ کیا چیزیں ہیں جنکو خواہ مخواہ عقائد دین میں داخل کر لیا گیا ہے ۔ اس تحقیقات نے ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور تکفیر بازی کرنے والے فرقوں کی سرنگوں سے بہت سی باروت نکال دی اور لوگوں کے زاویۂ نظر میں وسعت پیدا کی ۔

خامساً ، انہوں نے دین کے فہم کو تازہ کیا ، بے شعوری کی مذہبیت کو فضول ٹھیرایا ، تقلید جامد کی سخت مخالفت کی ، لوگوں کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے چشمۂ فیض کی طرف پھر سے توجہ دلائی ، اجتہاد کی روح کو تازہ کرنے کی کوشش کی ، اور اپنے عہد کے تقریباً ہر گروہ کی گمراہیوں اور کمزوریوں پر تنقید کر کے اصلاح کی طرف عام دعوت دی ۔

سادساً ، انہوں نے اس نظام تعلیم پر تنقید کی جو بالکل فرسودہ ہو چکا تھا اور تعلیم کا ایک نیا نظام تجویز کیا ۔ اس وقت تک مسلمانوں میں جو نظام تعلیم قائم تھا اس میں دو قسم کی خرابیاں پائی جاتی تھیں ۔ ایک یہ کہ علوم دنیا اور علوم دین الگ الگ تھے اور اسکا نتیجہ لامحالہ تفریق دنیا و دین کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا جو اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی طور پر غلط ہے ۔ دوسرے شرعی علوم کی حیثیت سے بعض ایسی چیزیں داخل درس تھیں جو شرعی اہمیت نہ رکھتی تھیں ، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دین کے متعلق لوگوں کے تصورات غلط ہو رہے تھے اور بعض غیر جنس کی چیزوں کو دینی اہمیت حاصل ہو جانے کی وجہ سے فرقہ بندیاں پیدا ہو رہی تھیں ۔ امام غزالی نے ان خرابیوں کو دور کر کے ایک سمویا ہوا نظام بنایا جسکی ان کے ہم عصروں نے سخت

مخالفت کی مگر بالآخر تمام مسلم ممالک میں اس کے اصول تسلیم کر لیے گئے اور جتنے نئے نظامات تعلیم بنے وہ تمام تر انہی خطوط پر بنے جو امام نے کھینچ دیے تھے۔ اس وقت تک مدارس عربیہ میں جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے اسکی ابتدائی خط کشی امام غزالی ہی کی رہین منت ہے۔

سابعاً، انہوں نے اخلاق عامہ کا پورا جائزہ لیا۔ انہیں علماء، مشائخ، امراء، سلاطین، عوام سب کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے خوب مواقع ملے تھے۔ خود چل پھر کر مشرقی دنیا کا ایک بڑا حصہ دیکھ چکے تھے۔ اسی مطالعہ کا نتیجہ انکی کتاب احیاء العلوم ہے جس میں انہوں نے ہر طبقہ کی اخلاقی حالت پر تنقید کی ہے، ایک ایک برائی کی جڑ اور اسکے نفسیاتی اور تمدنی اسباب کا کھوج لگایا ہے، اور اسلام کا صحیح اخلاقی معیار پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ثامناً، انہوں نے اپنے عہد کے نظام حکومت پر بھی پوری آزادی کے ساتھ تنقید کی۔ براہ راست حکام وقت کو بھی پیہم اصلاح کی طرف توجہ دلاتے رہے، اور عوام میں بھی یہ روح پھونکنے کی کوشش کی کہ منفعلانہ انداز سے جبر و ظلم کے آگے سر تسلیم خم نہ کریں بلکہ آزادانہ نکتہ چینی کریں۔ احیاء میں ایک جگہ صاف لکھتے ہیں کہ "ہمارے زمانہ میں سلاطین کے تمام یا اکثر اموال حرام ہیں"۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ "ان سلاطین کو نہ اپنی صورت دکھانی چاہیے، نہ انکی دیکھنی چاہیے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ انکے ظلم سے بغض رکھے، انکے بقاء کو پسند نہ کرے، انکی تعریف نہ کرے، ان کے حالات سے کوئی واسطہ نہ رکھے اور انکے ہاں رسائی رکھنے والوں سے بھی دور رہے"۔ ایک اور جگہ اُن آداب پرستش و عبودیت پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں جو درباروں میں رائج تھے۔ اس معاشرت کی مذمت کرتے ہیں جو بادشاہوں اور امراء نے اختیار کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ ان کے محلات، ان کے لباس، انکی آرائش، ہر چیز کو نجس بتلاتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے اپنے عہد کے بادشاہ کو ایک مفصل خط لکھا جس میں اس کو اسلامی طرز حکومت کی طرف دعوت دی، حکمرانی کی ذمہ داریاں سمجھائیں، اور اسے بتایا کہ تیرے ملک میں جو کچھ ظلم ہو رہا ہے خواہ

تو خود کرے یا تیرے عمال کریں، بہرحال اسکی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ ایک دفعہ مجبوراً دربار شاہی میں جانا پڑا تو دوران گفتگو میں بادشاہ کے منہ در منہ کہا کہ:

"تیرے گھوڑوں کی گردن ساز زریں سے نہ ٹوٹی تو کیا ہوا، مسلمانوں کی گردن تو فاقہ کشی کی مصیبت سے ٹوٹ گئی"۔

اسی طرح ان کے آخری زمانہ میں جتنے وزراء سلطنت کے مدبّر امر ہوئے ان سب کو بھی امام نے پیہم خطوط لکھے اور رعایا کی تباہ حالی کی طرف توجہ دلائی۔ ایک وزیر کو لکھتے ہیں:

"ظلم حد سے گذر چکا ہے۔ چونکہ مجھے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھنا پڑتا تھا اسلیے تقریباً ایک سال سے میں نے طوس کا قیام ترک کر دیا ہے تاکہ بے رحم و بے حیا ظالموں کی حرکات دیکھنے سے خلاصی پاؤں"۔

ابن خلدون کے بیان سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے قیام کے خواہاں تھے جو خالص اسلامی اصول پر ہو، خواہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو۔ چنانچہ مغرب اقصیٰ میں موحدین کی سلطنت انہی کے اشارہ سے انکے ایک شاگرد نے قائم کی۔ مگر امام موصوف کے کارنامے میں یہ سیاسی رنگ محض ضمنی حیثیت رکھتا تھا۔ سیاسی انقلاب کے لیے انہوں نے کوئی باقاعدہ تحریک نہیں اٹھائی، نہ حکومت کے نظام پر کوئی خفیف سے خفیف اثر ڈال سکے۔ اسی لیے جاہلیت کی حکمرانی میں مسلمان قوموں کی حالت برابر خراب ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک صدی بعد تاتاری طوفان کے دروازے ان پر ٹوٹ پڑے اور اس نے انکے پورے تمدن کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے، اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور رہنے کی وجہ سے اُن کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم اُن نقائص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے۔ اور تیسری قسم اُن نقائص کی